اقبال کی زندگی کے چند گوشے

شیخ حسن دین صاحب مرحوم مدت مدید تک انجمن حمایت اسلام لاہور کے کتب خانے کے سپرنٹنڈنٹ رہے اور وہ لاہور کے کشمیری خاندانوں سے اچھے خاصے روابط رکھتے تھے کچھ اس لئے کہ وہ خود کشمیری تھے اور دوسرے اس لئے بھی کہ وہ صاحب ذوق تھے اور سوشل ورکر بھی تھے۔انھوں نے مجھے ایک واقعہ سنایا جو حسب ذیل ہے :۔

یہ کوئی سنہ ۱۹۱۴-۱۵ کا ذکر ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی شادی کے چرچے لاہور میں ہونے لگے۔ بہتیرے خاندانوں نے خواہش ظاہر کی مگر ڈاکٹر صاحب کسی کی نہ سنتے تھے۔ آخر لاہور کے چند اکابر نے منشی محبوب عالم پیسہ اخبار والوں کی لڑکی فاطمہ بیگم کی طرف آن کی توجہ دلوائی اور کہا کہ لڑکی فاضلہ اردو فارسی جانتی ہے اور آجکل پونا میں کسی کالج میں پڑھاتی بھی ہے اس لئے یہ رشتہ ٹھیک رہے گا۔ مگر ڈاکٹر صاحب نے انکار کر دیا۔

اس بات کی خبر جب فاطمہ بیگم کو پہنچی تو آس نے گرمیوں کی چھٹیوں میں لاہور کا ارادہ کر لیا۔ یہاں آنے سے پیشتر آس نے بڑی جرأت سے کام لیکر ڈاکٹر صاحب کو ایک چٹھی لکھی جس میں آس نے لکھا :

''آپ یہ جان کر خوش ہونگے کہ میں ایک ادیب کی لڑکی ہوں اور مجھے مدت سے پڑھنے لکھنے کا شوق ہے۔ آجکل میں شعر بھی کہتی ہوں اسلئے میری خواہش ہے کہ اس فن کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں۔ میں عنقریب لاہور آرہی ہوں۔اگر آپ اجازت دیں تو میں کبھی کبھار اصلاح لینے کی غرض سے آپ کے پاس آجایا کروں کیونکہ آپ ہمارے قریب ہی تو رہتے ہیں (انار کلی بازار میں) ''

جسوقت یہ چٹھی ڈاکٹر صاحب کو ملی تو ڈاکٹر صاحب نے حاضرین مجلس کو دکھائی جن میں غالباً احمد دین وکیل بھی موجود تھے۔ پھر جلدی سے چٹھی لیکر آس کی پشت پر یہ شعر لکھ دیا :

شوق تحریر مضامیں میں کھلی جاتی ہے
بیٹھ کر پردہ میں بے پردہ ہوئی جاتی ہے

اور آسی طرح آس چٹھی کو ایک نئے لفافہ میں بند کرکے واپس بھیجدیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہ ۱۹۳۶ کے کرسمس کی ایک رات کا ذکر ہے کہ میرے چند عزیزوں نے اقبال سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ عشاء کی نماز کے بعد ہم جاوید منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو علی بخش کی مہربانی سے معلوم ہوگیا کہ ڈاکٹر صاحب ابھی جاگ رہے ہیں۔ ہم نے اجازت چاہی۔ ڈاکٹر صاحب نے لیٹے ہی لیٹے کروٹ لی اور ہمارے سلام کا جواب دینے کے

بعد صورت احوال پوچھی ۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق میرے ایک رفیق نے ڈاکٹر صاحب سے عرض کی کہ حضور جاوید نامہ میں آپ نے شرف النساء بیگم کے محل کی بہت تعریف کی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

ڈاکٹر صاحب یہ سنتے ہی تھوڑے سے آچھلے اور ہماری طرف پوری توجہ کے ساتھ یوں گویا ہوئے :

تمہیں معلوم نہیں کہ شرف النساء بیگم کون تھی۔ اتنی پاکباز اور اسلام کی پرستار عورت کا نام بھی مسلمانوں کو نہیں آتا ۔ افسوس ۔

ہم سب خاموشی کے ساتھ اُن کے چہرے کا اُتار چڑھاؤ دیکھ رہے تھے جو لحظہ بہ لحظہ سرخ ہو رہا تھا ۔ پھر یکدم بول اٹھے :

سنیے ۔ شرف النساء بیگم لاہور کے ایک صوبیدار کی لڑکی تھی ۔ بڑی نیکوکار اور پرہیزگار ۔ اُسے صحیح اسلام کا پتہ چل گیا تھا ۔ چنانچہ وہ ہمیشہ اپنے پاس تلوار اور قرآن پاک کا ایک نسخہ رکھتی تھی ۔ قرآن پڑھنا اور تلوار سے کھیلنا یہ اُس کا روز مرہ کا شغل ہو گیا تھا ۔ چنانچہ اپنے بستر مرگ پر اُس نے یہ وصیت کی کہ اُس کے مرنے کے بعد قرآن پاک اور اسکی تلوار کو اُس کی میت کے ساتھ ہی دفن کردیا جائے ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ۔ اور یہ جی ٹی روڈ پر گلابی باغ کی چوک کے پچھلی طرف جوسرو والا مقبرہ کہلاتا ہے اُسی کا ہے ۔ یہ سیدھا مقبرہ کھڑا ہے اور اس کے اوپر جانے کا کوئی راستہ نہیں ۔ اب جب سکھوں کا دور حکومت آیا تو کسی نے اُن سے کہ دیا کہ اس مقبرے میں خزانہ مدفون ہے۔ چنانچہ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً ہی مقبرے کی کھدائی شروع کردی اور یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ قبر میں ہڈیوں کے ڈھانچے کے علاوہ قرآن پاک کے چند بوسیدہ اوراق اور ایک زنگ آلودہ تلوار کے سوا اور کچھ بھی نہیں جنہیں تلف کردیا گیا ۔

اب آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ تلوار اور قرآن کی بات شرف النساء بیگم نے کہاں سے سیکھی ۔ سنئیے ۔

حضرت عمر کے زمانہ میں حضرت سلمان فارسی کوفہ کے گورنر تھے ۔ اُن کے عہد میں وہاں کے دارلامارت (گورنمنٹ ہاؤس) میں آگ لگ گئی ۔ ملازمین سراسیمگی کی حالت میں آگ بجھانے میں مشغول مگر حضرت سلمان فارسی نہایت اطمینان کے ساتھ ایک طرف جاکر کھڑے ہوگئے ۔ لوگوں نے ان کی توجہ مال و اسباب کی طرف دلائی اور کہا کہ حضور آپ اپنے مال و منال کے نکالنے کے لئے کیا حکم صادر فرماتے ہیں ۔ مگر حضرت سلمان فارسی نے ہلکے سے تبسم کے ساتھ فرمایا کہ میں اپنا اثاثہ نکال لایا ہوں اور دیکھو وہ یہ ہے ۔ ایک گھوڑا ، ایک تلوار اور قران پاک کا یہ نسخہ ، مسلمانوں کا اثاثہ بس یہی ہے اور یہ میں لے آیا ہوں، مجھے دوسرے دنیوی مال و منال کی ضرورت نہیں ۔ یہ سن کر حاضرین آبدیدہ ہوگئے اور انہیں معلوم ہوگیا کہ مسلمان کی صحیح جائداد کونسی ہے ۔

بس اسی واقعہ سے شرف النساء بیگم نے سبق سیکھا اور ہمیشہ تلوار اور

قرآن کو پاس رکھا۔ پھر کیوں نہ وہ جنت میں ایک بہترین مقام حاصل کرے ، اس کا محل یقیناً سب سے ارفع و اعلیٰ ہوگا ۔ یہ ہے شرف النساء بیگم کی مختصر داستان ۔ اب تم سوچو کہ تم اسلام کی تعلیمات پر کس حد تک عمل کرنے کے لئے تیار ہو ۔

ہم سوچ میں پڑ گئے اور واپسی کی اجازت چاہی جو مل گئی۔ اسوقت ڈاکٹر صاحب کی آنکھوں میں آنسو تھے جنہیں وہ ضبط کرنے کی کوشش کر رہے تھے ۔

یہ مارچ ۱۹۳۷ کے آخری عشرہ کا ذکر ہے ۔ امرتسر کے چند بیوپاری قسم کے دوست شالامار باغ کا میلہ دیکھنے کے لئے لاہور تشریف لائے ۔ یہ نیم خواندہ اصحاب باتوں باتوں میں ڈاکٹر اقبال کا ذکر لے بیٹھے ۔ ان میں سے ایک صاحب نے یہ فرمائش کردی کہ اگر میں انہیں ڈاکٹر اقبال کی زیارت کرادوں تو وہ حضرت مادھولال حسین کے مزار پر چراغاں دیکھنے کے لئے نہیں جائینگے ۔ چنانچہ میں ان پانچوں دوستوں کو لیکر جاوید منزل جا پہنچا اور علی بخش سے درخواست کی کہ وہ انہیں ڈاکٹر صاحب کی زیارت کرادے کیونکہ یہ اصحاب بڑی دور سے آئے ہیں ۔ علی بخش نے اندر جھانکا ، پھر اندر جاکر ڈاکٹر صاحب کے پلنگ کے سامنے چھ کرسیاں رکھکر اندر پہنچنے کا اشارہ کیا ۔ ڈاکٹر صاحب اسوقت ایک دھوتی اور بنیان پہنے لیٹے ہوئے تھے ۔ ہم سب نے مودبانہ سلام کیا اور انہوں نے جواب دیتے ہوئے کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا ۔ مگر ہم نے کرسیوں کو پیچھے دھکیل دیا اور فرش پر بیٹھنے کو ترجیح دی ۔ جسوقت ہم دوزانو ہوکر بیٹھ گئے تو بڑی متجسسانہ نگاہوں سے ہماری طرف متوجہ ہوکر فرمانے لگے ۔

" کیوں بھائیو ۔ کیسے آئے ہو ؟ "

میں نے جواب دیا کہ جناب یہ صرف آپ کی زیارت کے لئے آئے ہیں ۔

" زیارت — ارے کسی پیر کی زیارت کرلی ہوتی ۔ میں تو کوئی پیر نہیں ۔ لوگ ہمیشہ پیروں فقیروں کی زیارت کیا کرتے ہیں ۔ "

چند لمحات کی خاموشی کے بعد میرے ایک ساتھی نے کہا کہ افسوس ہے ہم نے اس وقت جناب کو تکلیف دی اور جناب کے لئے کوئی تحفہ بھی نہ لاسکے ۔ یہ سنتے ہی وہ یکدم بول اٹھے ۔

" تحفہ ؟ وہ کیا ہوتا ہے ؟

" مسلمان کے گھر مسلمان کا آجانا ہی تحفہ ہے " ۔ یہ فقرہ دو بار دھرایا اور پھر ہم سب کی طرف متوجہ ہوکر بولے :—

" اچھا یہ بتاؤ ۔ نماز پڑھا کرتے ہو یا نہیں ؟ "

یہ سنتے ہی ہم ایک دوسرے کی بغلیں جھانکنے لگے ۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا جواب دیں ۔ آخر میں نے جرأت سے کام لیکر عرض کیا :—

" حضور نماز تو پڑھتے ہیں مگر دل نہیں لگتا ۔ بھولی ہوئی چیزیں یاد آجاتی ہیں " ۔ وہ سنتے ہی مسکرا پڑے اور فرمانے لگے :—

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے بھی نماز میں انہیں حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اچھی طرح دلجمعی نہیں ہوتی۔ قرطبہ میں میرا جی چاہتا تھا کہ نماز پڑھوں۔ جامع اظہر میں نماز پڑھنے کا بڑا لطف آتا تھا۔ بھلا غور کرو۔ جمعہ کا دن ہو، مسلمان جوق درجوق نماز پڑھنے کے لئے جارہے ہوں، مسلمانوں کے بادشاہ کی سواری کی آمد آمد ہو۔ مسلمانوں کی فوجیں بازار میں دورویہ کھڑی ہوں۔ تو پھر کون بدبخت ہے جس کا دل نماز پڑھنے کو نہ چاہے۔ یہ غلام آباد ہے۔ تم سچے ہو۔"

جسوقت ڈاکٹر صاحب یہ کہہ رہے تھے تو اُن کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں آنسو اُمڈے چلے آرہے تھے۔ ایک خاص قسم کے جوش کے ساتھ وہ اچھلے اور پھر لیٹ گئے۔ کمرے میں سناٹا طاری ہوگیا۔ چند لمحات کے بعد پھر یوں گویا ہوئے:

"بھائیو۔ نماز پڑھا کرو۔ پڑھتے پڑھتے ہی نماز پڑھی جائے گی۔ سپاہی پریڈ کرتا کرتا ہی کبھی جرنیل بن جاتا ہے۔ نماز پڑھا کرو۔ اسی میں فائدہ ہے"۔

ان الفاظ کے ساتھ وہ خاموشی سے لیٹ گئے اور علی بخش نے ہمیں چلے جانے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ ہم بھی نہایت خاموشی کے ساتھ سلام کر کے رخصت ہوئے۔

یہ ستمبر یا اکتوبر ۱۹۳۷ کا واقعہ ہے کہ میں نے پچھلے پہر میو روڈ سے گزرتے ہوئے چند نوجوانوں کو جاوید منزل میں گھستے ہوئے دیکھا۔ میں بھی غیر شعوری طور پر ان کے پیچھے ہو لیا۔ آگے آگے وہ اور پیچھے پیچھے میں۔ برآمدے کے ساتھ والے چھوٹے کمرے میں اسوقت ڈاکٹر صاحب ایک آرام کرسی پر بیٹھے یا لیٹے حقہ پی رہے تھے۔ ہم سب نے بیک وقت سلام کیا اور حکم کے مطابق سامنے بچھی ہوئی کرسیوں پر سمٹ کر بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے ان نوجوانوں کی طرف نگاہ ڈالی گویا کہ ان کی تشریف آوری کا مطلب پوچھا۔ ان میں سے ایک نے عرض کیا

"جناب پند نامۂ عطار میں ایک شعر ہے

کفر کافر را و دین دیندار را
ذرۂ درد دل عطار را

اس شعر کا مطلب سمجھنے کے لئے ہم یہاں حاضر ہوئے ہیں۔

شعر سنتے ہی ڈاکٹر صاحب کچھ نیم بکولا سا ہو گئے اور فرمانے لگے

یہ تمہیں کس نے پڑھایا کہ یہ پندنامۂ عطار کا شعر ہے؟

آپ کون سے کالج میں پڑھتے ہیں؟

کس جماعت میں ہیں؟

کون کون سے مضامین آپ نے کالج میں لے رکھے ہیں؟ آپ کے والد صاحبان کیا کرتے ہیں؟

ان تابڑتوڑ سوالات سے وہ نوجوان کچھ بھونچکے سے رہ گئے اور ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے ۔ آخر ایک نے بتلایا کہ وہ ایف اے کا طالب علم ہے اور دوسرے نے B. Sc. کا طالب علم ہونا ظاہر کیا ۔ پہلے نے فارسی میٹرک تک پڑھی تھی اور دوسرے نے مڈل تک ۔ البتہ دونوں کے گھروں میں علم و ادب کا کافی چرچا ہے ۔کسی پڑھے لکھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ سنتے ہی ڈاکٹر صاحب کا چہرہ متغیر ہوگیا اور فرمانے لگے :

تھوڑی سی فارسی پڑھ لینے سے فارسی نہیں آئیگی ۔ معلوم نہیں کس نے آپ کو غلط سلط پڑھا دیا ہے ۔ یہ شعر پندنامۂ عطار کا نہیں اور اس کو سمجھنے کے لئے کافی عمر درکار ہے۔ پہلے فارسی پڑھنے اور سمجھنے کا شوق پیدا کرو پھر کہیں جاکر اس کا مطلب سمجھ سکو گے ۔ میرا خیال تھا کہ تم فارسی پڑھکر اب عربی کی طرف رجوع کرو گے ۔ مگر افسوس تمہیں تو فارسی ہی نہیں آتی ، اردو کتنی آتی ہوگی ۔ تم تو سائنس کے طالب علم ہو ، خدا ہی تمہارا حافظ ہے ۔

جس وقت اقبال کی زبان سے یہ الفاظ نکل رہے تھے تو ان کا چہرہ سرخ اور ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچی ہوئی دکھائی دیتی تھیں ۔ ایک خاص قسم کا جوش نمایاں تھا بلکہ مونچھوں کے بال بھی تنے ہوئے دکھائی دیتے تھے ۔ لب و لہجہ آہستہ آہستہ تیز ہو رہا تھا ۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد پھر فرمانے لگے

"تمہارا کوئی قصور نہیں ۔ یہ صرف غلط تعلیم کا نتیجہ ہے ۔ پڑھنے لکھنے کا شوق پیدا کرو ۔ فرصت کے اوقات میں کسی قابل آدمی کی مجلس میں بیٹھ جایا کرو ۔ اگر خدا کو منظور ہوا تو کبھی پڑھ ہی لو گے ۔

سنو اگر کچھ سیکھنا ہے تو عربی پڑھو ۔ صرف قرآن پڑھنے سے عربی نہیں آئیگی بلکہ عربی کو بحیثیت عربی زبان کے پڑھو پھر کچھ بنیگا" ۔

محمد شفیع کنبوہ